3

کارکنان سلسلہ کے لئے چند ضروری باتیں

(فرمودہ ۱۵ جنوری ۱۹۲۶ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

دنیا میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ مضبوط ہوتے ہیں وہ تکلیفوں کو بھی برداشت کر سکتے ہیں اور قربانیاں بھی کر سکتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ ہوتے ہیں جن کی ہمتیں اتنی بلند نہیں ہوتیں جتنی ان کے دوسرے بھائیوں کی ہوتی ہیں۔ وہ نہ تو ان کی طرح قربانیاں کر سکتے ہیں نہ ان کی طرح تکالیف برداشت کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قائم رکھنے اور ان کے سدھارنے کے لئے ان لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنی ذات میں قوت اور طاقت رکھتے ہیں۔ عام قانون قدرت اسی رنگ میں چلتا ہے۔ ماں باپ اپنے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بچہ کو جو اپنی ذمہ داریاں آپ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ ماں باپ کے سپرد کر دیا ہے۔ اسی طرح اور باتوں میں نظر آتا ہے اور دنیا کا قریباً تیسرا حصہ ایسا ہی ہے جس کا بوجھ دوسرے لوگ اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں ۲/۱ سے بھی زیادہ دنیا ایسی ہوگی جو اپنے قیام کے لئے دوسروں کی محتاج ہے تمام بچے جو ہیں ان کا بوجھ ماں باپ اٹھاتے ہیں۔ پھر بچوں کے سوا اور کمزور ہوتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں۔ بوڑھے ہوتے ہیں ان کا بوجھ ان کے ماں باپ یا عزیز اٹھاتے ہیں۔ پھر کئی لوگ اپاہج ہوتے ہیں۔ اگر ان سب کا اندازہ کیا جائے تو نصف کے قریب دنیا ایسی ہوگی جو کام کرنے کے قابل ہوگی اور باقی نصف ایسی ہوگی جو دوسروں کی محتاج ہوگی اور جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے طاقت اور قوت دی ہے ان کا فرض ہے کہ دوسروں کا بوجھ اٹھائیں۔ پھر جسمانی کمزوریوں کو اگر ہم نظر انداز بھی کر دیں تو دماغی کمزوریوں کے لحاظ سے بھی اسی نسبت سے بلکہ اس سے بھی زیادہ ایسے لوگ ہوں گے۔ جو دوسروں کی امداد کے محتاج ہوں گے ان کے پاس طاقت ہوگی، علم ہوگا، دولت ہوگی مگر امنگ اور

ہمت نہیں ہوگی اور جن میں امنگ اور ہمت ہوتی ہے۔ ان کے سمجھانے اور بتانے پر کام کرتے ہیں۔ دیکھو فوج میں سپاہی اپنے افسروں کے ذریعہ لڑتے ہیں۔ اگر افسر بہادر ہو تو سپاہی بھی بہادر ہوتے ہیں اور اگر افسر بزدل ہو تو سپاہی بھی بزدل ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فتوحات اور شکستوں کا ذمہ دار افسروں کو سمجھا جاتا ہے۔ اگر افسروں کی کوششیں اور نمونے اپنے ماتحتوں پر گہرا اثر نہ رکھتے۔ اگر افسر کی بہادری ۱۰-۵۰-۱۰۰ آدمی کو بہادر نہ بنا سکتی۔ اگر افسر کی بزدلی ۱۰-۵۰-۱۰۰ کو بزدل نہ بنا دیتی۔ تو شکست کے موقعہ پر اس پر الزام کیسا؟ اور فتح حاصل ہونے پر اس کی تعریف کیسی؟ ہر افسر شکست کے موقعہ پر کہہ سکتا تھا میں کیا کرتا میرے ماتحت بزدل سپاہی تھے یا فتح کے موقعہ پر کہا جا سکتا تھا۔ افسر کسی تعریف کا مستحق نہیں اس کے ماتحت بہادر سپاہی تھے۔ کونسا جرنیل ہے جو اکیلا فتح حاصل کرتا یا اکیلا شکست پاتا ہے نہ اکیلا کوئی جرنیل فتح پا سکتا ہے اور نہ اکیلا شکست پا سکتا ہے۔ اگر ظاہر پر نظر ڈالی جائے تو فتح پانے والے سپاہی ہوتے ہیں اور شکست پانے والے بھی سپاہی ہوتے ہیں۔ مگر کہا یہ جاتا ہے کہ فلاں افسر بہت اعلیٰ درجہ کا ہے اور فلاں افسر قابل مذمت ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ افسر ایسے شخص کو بنایا جاتا ہے۔ جس کے متعلق امید کی جاتی ہے کہ وہ طاقتور اور بہادر ہے اور دوسروں کو سہارا دے کر کھڑا کر سکے گا اور تمام بنی نوع انسان کی فطرتیں اس بات کو قبول کرتی ہیں کہ افسر کی بہادری اور بزدلی سے ہزاروں سپاہی بہادر یا بزدل بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی افسر فوج سمیت شکست کھاتا ہے تو اس کی نالائقی سمجھی جاتی ہے اور اگر فتح حاصل کرتا ہے تو اس کی بہادری قرار دی جاتی ہے۔ کیونکہ جب اس امر کو تسلیم کر لیا گیا کہ افسر کے اندر یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ سینکڑوں بزدلوں کو بہادر بنا دے یا سینکڑوں بہادروں کو بزدل بنا دے تو فتح و شکست کا بیشتر حصہ بھی افسر کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

غرض دنیا کے تجارب بتاتے ہیں۔ ایک انسان میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ سینکڑوں کو بہادر بنا دے یا سینکڑوں کو بزدل بنا دے اور وہ ان سب کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی ذمہ داریاں بہت بڑھی ہوتی ہیں اور ماتحتوں کی خرابیاں ایک حد تک اس کی طرف منسوب ہو سکتی اور ان کی اصلاح کی ذمہ داری اس کے سر پر ہوتی ہے۔

میں اس تمہید کے بعد اپنی جماعت کے کارکنوں کو یعنی مختلف جماعتوں کے امیروں، پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ ان علاقوں کی جماعتوں کی خرابیاں یا کامیابیاں ان کی ہمت اور طاقت پر منحصر ہیں۔ اگر کسی جماعت میں سستی، فساد، جھگڑا یا رخنہ پڑتا ہے تو اس کے ذمہ دار کارکن

ہیں اور اگر کسی جماعت میں اتفاق و اتحاد ترقی کرتا۔ دینی کاموں میں چستی پیدا ہوتی۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی کا اچھا نمونہ دکھاتے اور قربانیاں زیادہ کرتے ہیں تو یہ بھی ان کی کوششوں کا نتیجہ سمجھا جائے گا اور اس کے بہت بڑے حصہ کی تعریف کے حق دار امراء، پریذیڈنٹ، سیکرٹری اور دوسرے کارکن ہوں گے۔ پس میں اس خطبہ کے ذریعہ قادیان کے کارکنوں اور باہر کے کارکنوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مختلف جماعتوں کی کامیابیاں اور چستیاں، ہوشیاریاں یا قربانیاں یا پھر سستیاں اور کوتاہیاں جو نظر آئیں۔ ان کے بہت حد تک وہی ذمہ دار ہیں اور ہو سکتا ہے کہ کارکنوں کی ذرا سی غفلت ایک جماعت کو بالکل نکما کر دے اور ممکن ہے کہ ان کی چستی ایک غافل اور سست جماعت کو چست اور ہوشیار بنا دے۔ بسا اوقات ایسا نظر آتا ہے کہ ایک جماعت میں جب کوئی شخص چلا جاتا ہے تو اس جماعت کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ وہ جماعت سستی اور غفلت کے چولے کو اتار کر نیا لباس پہن لیتی ہے۔ پھر اس کے مقابلہ میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض جماعتیں خوب چستی اور جوش سے کام کر رہی ہوتی ہیں۔ لیکن جب ان میں سے کوئی اچھا کارکن تبدیل ہو کر کسی دوسری جگہ چلا جائے یا فوت ہو جائے یا کسی اور وجہ سے وہ جماعت اس کی خدمات سے محروم ہو جائے تو معاً" اس میں تفرقہ اور شقاق پیدا ہو جاتا ہے۔

ان حالات اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے کارکنوں پر بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں اور جماعت کے دوستوں کا فرض ہے کہ جس کارکن کو کسی کام کے لئے چنیں۔ اس کے متعلق پہلے دیکھ لیں کہ وہ کام کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ تا نام کے افسر اور نام کے کارکن نہ ہوں۔ بلکہ حقیقتاً" دوسروں کے لئے نمونہ ہوں اپنی قربانی اپنی ہوشیاری اور اپنی چالاکی سے جماعت کی بہتری اور ترقی کی کوشش کریں۔ اپنے جذبات کو دبانے کے عادی ہوں تا کہ ان کے نمونہ کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اپنے جذبات کو دبائیں۔ وہ خود قربانی کے عادی ہوں تا دوسرے ان کے نمونہ کو دیکھ کر قربانی کریں۔ وہ خود تقویٰ و طہارت میں اعلیٰ نمونہ دکھائیں تا دوسرے ان کا نمونہ دیکھ کر تقویٰ و طہارت پیدا کریں۔

پھر میں ان لوگوں سے جن کے ہاتھ میں انتخاب کے ذریعہ یا تقرر کے ذریعہ جماعت کی باگ ہے۔ کہتا ہوں وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور خود اعلیٰ درجہ کی قربانیاں دکھانے کی کوشش کریں۔ بغیر اس کے کہ وہ خود اعلیٰ قربانیوں کے عادی ہوں۔ دوسروں کو اعلیٰ قربانیوں کے قابل نہیں بنا سکتے۔ جب تک جماعت کی تربیت اس طرح نہ کی جائے۔ جس طرح ڈاکٹر مریض کی نگرانی کرتا ہے۔ اس

وقت تک حقیقی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ پس میں خصوصیت سے جماعت کے کارکنوں کو یہاں کے کارکنوں کو بھی اور باہر کے کارکنوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ دو باتوں کی طرف جماعت کے لوگوں کو بار بار توجہ دلائیں اور سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی قوم قربانی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ ہماری جماعت کے لوگ باوجود اس کے کہ دوسروں کے مقابلہ میں بہت قربانیاں کرتے ہیں۔ مگر ابھی تک اچھی طرح ان کے ذہن نشین یہ بات نہیں ہوئی۔ کہ قربانی کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ اور یہ کہ بغیر قربانی کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ بہت دفعہ کسی بات کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بھی انسان ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ اور سخت نقصان اٹھاتا ہے۔ مثلاً" ایک انسان یہ خیال کر کے کہ جس سفر پر میں جانے لگا ہوں وہ ایک دن کا سفر ہے۔ اسی قدر کھانے پینے کی تیاری کرے جو ایک دن کے لئے کافی ہو۔ لیکن وہ سفر سات دن کا ہو جائے۔ تو باوجود اس کے کہ اس نے سامان سفر مہیا کیا ہوگا وہ اپنے آپ کو بھوک وغیرہ کی تکلیف سے بچا نہ سکے گا۔ اس لئے کہ اس نے سامان سفر تو لیا۔ مگر یہ غلطی کی کہ اسے یہ معلوم نہ ہوا کہ کس قدر سامان کی ضرورت تھی۔

اسی طرح گو ہماری جماعت کے بہت لوگ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں قربانی کی ضرورت ہے۔ مگر ان میں سے ایسے بہت سے ہیں جو یہ محسوس نہیں کرتے کہ کس قدر قربانی کی ضرورت ہے۔ ایسی صورت میں مختلف جماعتوں کے امیروں پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کا فرض ہے کہ بار بار لیکچروں کے ذریعہ اور لوگوں سے مل کر انہیں اس طرف توجہ دلائیں کہ احمدیت میں داخل ہونا معمولی بات نہیں بلکہ اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کے لئے موت قبول کرنا ہے۔ انہیں بتائیں کہ بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا سب کچھ قربان کر دے۔ اپنا مال اپنی جان اپنی عزت اپنا وطن اپنی حکومت غرض کہ جب تک کوئی اپنی ہر ایک چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا بیعت کے مفہوم پر عامل نہیں ہو سکتا۔ بیعت کے معنی ہیں بیچ دینا۔ میں حیران ہوتا ہوں وہ لوگ جو قربانی کے چھوٹے چھوٹے سوال پر کہہ دیتے ہیں۔ ہم کب تک قربانی کرتے جائیں۔ وہ بیعت کا کیا مفہوم سمجھتے ہیں کیا وہ بیعت کا وہی مفہوم سمجھتے ہیں۔ جو عام پیروں کی بیعت کا سمجھا جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کا دامن پکڑ لیا۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ اٹھا کر نجات کے دروازہ پر پہنچا دے۔ بیعت کرنے والوں کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی انسان نہیں گذرا۔ حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ میں بھی یہ طاقت نہ تھی کہ کسی کو اس کی اپنی کوشش اور سعی کے بغیر نجات دلا سکیں۔ پس خواہ خاتم

النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں جب ایسا نہیں کر سکے تو کسی اور کی کیا مجال ہے کہ اس کے متعلق اس قسم کی توقع رکھی جائے۔ جو چیز انسان کو نجات کے دروازہ پر پہنچاتی ہے وہ اس کی اپنی کامل قربانی ہے اور وہ قربانی جس کے بعد کوئی چیز اس کے اپنے قبضہ میں نہیں رہتی۔ حضرت مسیح کا یہ قول کیا ہی لطیف ہے کہ ہر شخص اپنی صلیب آپ اٹھا کر چلے ا۔ نجات پانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہر شخص اپنی صلیب آپ اٹھائے۔ پس بیعت کا یہ مفہوم نہیں کہ کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اٹھا کر نجات کے دروازہ پر کسی کو پہنچا دے۔ بلکہ بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ایک انسان کے ہاتھ پر وعدہ کرتا ہے کہ میں اپنی جان مال عزت آبرو آرام آسائش غرض ہر چیز خدا کے رستہ میں قربان کرتا ہوں اگر اس عہد کا پابند رہتا اور مرتے دم تک پابند رہتا ہے تو بے شک وہ نجات پا گیا۔ لیکن اگر اس کا پابند نہیں رہتا۔ اتنی قربانی نہیں کر سکتا جتنی کا اس سے مطالبہ کیا جائے تو قطعاً" نجات نہیں پا سکتا۔ خواہ وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے۔ خواہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں اس نے ہاتھ دیا۔ اور خواہ خود محمد ﷺ کے ہاتھ میں دیا۔ وہ ایک دھوکہ خوردہ یا دھوکہ دینے والا انسان ہے۔ اس کی مثال اس پاگل کی سی ہے جو اینٹوں کے ٹکڑوں کو ہیرے اور جواہرات سمجھ کر اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ یا اس فریبی انسان کی سی ہے۔ جو پیتل کے سکوں پر پارہ چڑھا کر روپے کی جگہ استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ یا تو اپنے نفس کو آپ ہلاک کر رہے ہیں یا دوسروں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بیعت کے اصل مفہوم کو نہیں سمجھتے۔ وہی شخص اور صرف وہی شخص بیعت کے مفہوم کو ادا کرتا ہے جو دین کی خدمت کے لئے ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ آخر یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ جب وہ قربانی جس کا مطالبہ جماعت سے کیا جاتا ہے۔ اگر زیادہ نہیں دس بیس یا سو اس کے کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں تو وہی قربانی دوسرے کیوں نہیں کر سکتے۔ اگر ایک جماعت سے دو ہزار آدمی ایسا نکل سکتا ہے جو اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو جائے بلکہ مطالبہ سے بڑھ کر قربانی اور ایثار پیش کرتا ہے تو دوسرے لوگ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ مطالبہ ہے اور اس کو پورا کرنا ناممکن ہے اگر ناممکن تھا تو دوسروں کے لئے بھی ناممکن ہونا چاہئے تھا۔ وہ بھی انسان ہی تھے۔ ان کے لئے وہ کس طرح ممکن بن گیا اور اگر وہ اس پر قادر ہو گئے۔ تو دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کوئی مطالبہ ناممکن اور حد سے بڑھ کر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر دین میں کوئی ایسا موقعہ نہیں آ سکتا۔ جب جان و مال سب کچھ دے دینے کی ضرورت پیش آ سکتی ہو۔ تو پھر خدا تعالیٰ نے یہ کیا کیا ہے کہ بیعت لیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سب کچھ

لے لینے کا اقرار کرتا ہے۔ پھر جتنے مطالبہ کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہو سکتی تھی۔ اتنے کا ہی اقرار کراتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے بیعت کا حکم دیا ہے اور بیعت کا حکم دینا بتاتا ہے کہ ایسا موقعہ آ سکتا ہے جبکہ دین کے لئے سب کچھ قربان کرنے کی ضرورت ہو اور پہلے زمانوں میں ایسے موقعے آتے رہے ہیں۔ دیکھو سب سے خطرناک وقت وہ ہوتا ہے جبکہ کھانا ختم ہو رہا ہو اور میسر آنے کا کوئی موقعہ نہ ہو اور انسان سمجھے جو کچھ میرے پاس ہے اگر وہ ختم ہو گیا تو میں بھوکا مرجاؤں گا۔ ایسی حالت میں انسان عزیز سے عزیز چیز کو بھی بھول جاتا اور قریب سے قریب تعلق کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس وقت اپنی جان کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ مکانوں میں آگ لگی تو وہ پیارے جو ایک دوسرے کے لئے جان دینے کے لئے تیار ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کو دھکے دے دے کر باہر نکل آئے۔ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے عزیزوں کو بچا لاتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی جان دے دیتے ہیں۔ مگر ایسے بھی ہوتے ہیں جو عزیزوں کو دھکے دے کر پہلے خود باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یورپ میں جب کسی سینما میں آگ لگتی ہے۔ تو اس قسم کے نظارے دیکھے جاتے ہیں۔ پچھلے ہی دنوں امریکہ میں ایک سینما میں آگ لگ گئی تو شائع ہوا تھا کہ کئی عورتوں نے اس افراتفری میں اپنے بچے کچل ڈالے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ ایسے موقعہ پر جبکہ انسان سمجھتا ہے۔ تباہی سامنے ہے۔ اسے زیادہ گھبراہٹ ہوتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ آئندہ تباہی کا خطرہ ہو۔ مگر ہم دیکھتے ہیں رسول کریم ﷺ سفر کر رہے ہیں۔ لوگوں کے پاس کھانا کم ہو جاتا ہے۔ سفر ابھی لمبا ہے اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ مزید کھانا مہیا کر سکیں۔ یا کہیں سے خرید سکیں۔ بعض کے پاس کچھ کھانا رہ گیا ہے۔ اور بعض کا بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اس وقت رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس جس کے پاس کچھ ہے لا کر رکھ دو۔ اب وہ کسی کا نہیں ساری جماعت کا ہے۔ اس وقت جس کے پاس جو کچھ تھا اس نے لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا۲۔ اور ایک نے بھی نہ کہا کہ اگر دوسرے مرتے ہیں تو مرنے دو ہماری جانیں تو ہمارے کھانے سے بچنے دو۔

ایک جنگل بیابان میں جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز مہیا نہیں ہو سکتی تھی یہ مطالبہ کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے لا کر رکھ دو۔ اس سے مراد اگرچہ وہ کھانا ہی تھا جو ان کے پاس تھا لیکن جن لوگوں نے ایسے موقعہ پر کھانا لا کر رکھ دیا۔ ان کے متعلق یقین کامل کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہی مطالبہ ان سے گھر پر کیا جاتا اور کسی کے گھر میں دس لاکھ روپیہ بھی ہوتا تو وہ سارے کا سارا لا کر رکھ دیتا۔ کیونکہ جب انہوں نے موت سامنے دیکھتے ہوئے قربانی کی تو معلوم ہوا کہ وہ قربانی کے لئے تیار اور آمادہ

ہیں۔ اور یہی مفہوم ہے بیعت کا۔ پس اگر ایسے مواقع نہ پیش آسکتے۔ جب سب کچھ دینا پڑتا تو ہرگز خدا تعالیٰ بیعت کا حکم نہ دیتا۔ اگر خدا تعالیٰ کے ارادہ میں یہ تھا کہ کبھی ایسا موقعہ پیش نہ آئے گا کہ سب کچھ مانگیں گے یا بیعت کرنے والوں پر فرض نہیں کہ سب کچھ دے دیں تو پھر ہرگز خدا تعالیٰ بیعت کا اقرار نہ لیتا بلکہ یہی اقرار لیتا کہ مال کا اتنا حصہ دوں گا۔ اور وہی انتہائی حد قرار دیتا۔ جس پر آگے قدم رک جانا چاہئے تھا مگر اس کی بجائے خدا تعالیٰ نے بیعت لی۔ جس میں ہر چیز جان، مال، عزت، آبرو وغیرہ آجاتی ہے اور اس طرح یہ اقرار لیا کہ جب دین کے لئے ضرورت ہو تو کسی چیز کے دینے سے دریغ نہیں کروں گا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ ایسے مواقع پیش آسکتے ہیں اور کام کرنے والوں کے لئے جائز ہے کہ ایسے موقع پر مطالبہ کریں کہ لاؤ سب کچھ لاکر رکھ دو۔ جسے دین کے لئے خرچ کیا جائے۔ ایسے مواقع پر سوائے اس چیز کے جو شریعت کے لحاظ سے ضروری ہو کہ اپنے پاس رکھی جائے۔ مثلاً ستر ڈھانکنے کے لئے۔ اگر کوئی ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھتا ہے تو وہ اس کے لئے حرام ہے۔

جب تک اس قربانی کے لئے ہماری جماعت تیار نہیں ہوتی اور صرف تیار ہی نہیں بلکہ عملی نمونہ نہیں دکھاتی اور کر کے نہیں دکھا دیتی۔ اس وقت تک بیعت صرف منہ کے الفاظ ہیں۔ فریب ہے۔ دھوکہ ہے۔ جھوٹ ہے اور جھوٹ بھی اتنا بڑا جو خدا تعالیٰ سے بولا گیا۔ پس قربانی اور بیعت کا یہ مفہوم ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ جماعتوں کے امیروں پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کو چاہئے کہ متواتر یہ مفہوم اپنی جماعت کے لوگوں کے ذہن نشین کرتے رہیں اور کم از کم ۱۲ دفعہ سال میں ضرور افراد کے سامنے پیش کریں۔ اس کے علاوہ افراد سے مل کر بھی انہیں سمجھائیں۔ کیونکہ جب تک یہ امر اچھی طرح ان کے ذہن نشین نہ ہو جائے گا۔ لوگوں میں کامل جوش نہ پیدا ہو گا۔ دراصل دل کی خوشی اور امنگ ہی کام کراتی ہے۔ جن لوگوں کے دل وسیع ہوتے ہیں۔ وہ بہت بڑی بڑی قربانیاں کر کے بھی کہتے ہیں۔ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اور جن کے دل تنگ ہو ہوتے ہیں۔ وہ ایک پیسہ دیکر بھی کہہ اٹھتے ہیں بڑا بوجھ پڑ گیا۔ پس دلوں کی اصلاح کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اگر دلوں کی اصلاح ہو جائے اور لوگ بیعت کا حقیقی مفہوم سمجھ جائیں۔ تو پھر کوئی بڑی سے بڑی قربانی ان کے لئے مشکل نہ ہوگی۔ دیکھو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متواتر سارا مال لاکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کرتے رہے۔ اور کبھی انہوں نے یہ نہ کہا کہ بڑا بوجھ پڑ گیا ہے۔ لیکن منافقوں نے کبھی ادنیٰ چندوں میں بھی حصہ نہ لیا اور کہتے رہے بوجھ سے دب گئے۔ پس یہ بات منحصر ہے دل کی قربانی پر اور

دل کی قربانی بغیر نفس کی قربانی کے قبول نہیں کی جا سکتی اور دل کی قربانی بغیر ظاہری قربانی کے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے احمدی جماعتوں کے امراء پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کا فرض ہے کہ لوگوں کے ارادوں اور خیالات کو بدل دیں اور انہیں حقیقی قربانی کا مفہوم سمجھا دیں۔ جب ان کے دل بدل جائیں گے تو وہی قربانیاں جن پر اب بعض شور مچاتے ہیں کہ بہت بڑا بوجھ پڑ گیا۔ انہیں نہایت حقیر اور ادنیٰ معلوم ہوں گی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہیں گے۔ اور چیخیں نکل جائیں گی کہ ہم نے تو کچھ نہیں کیا۔ دیکھو دلوں کے فرق کس طرح ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ جیسا انسان جنہوں نے اپنی ساری عمر ہی ملت اسلامیہ کے غم اور فکر میں گھلا دی۔ جنہوں نے ہر موقعہ پر اعلیٰ سے اعلیٰ قربانی کی۔ گو عمل کے لحاظ سے ان کی قربانیاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قربانیوں تک نہ پہنچیں۔ لیکن ارادہ اور نیت کے لحاظ سے سب کی برابر تھیں۔ جب ابوبکر صلی اللہ علیہ فوت ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ اور انہوں نے کہا۔ خدا تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر برکت کرے۔ میں نے کئی دفعہ کوشش کی کہ ان سے بڑھ جاؤں مگر کبھی کامیاب نہ ہوا۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا مال لاؤ تو میں اپنا نصف مال لے گیا اور خیال کیا کہ آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ جاؤں گا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ کا چونکہ ان سے رشتہ بھی تھا اور جانتے تھے کہ انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا ہوگا۔ اس لئے آپ دریافت فرما رہے تھے ابوبکر گھر کیا چھوڑا انہوں نے کہا گھر خدا اور رسول کا نام چھوڑا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ روتے اور فرماتے میں اس وقت بھی ان سے نہ بڑھ سکا۳۔

یہ ان کی قربانیاں تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے بھی دیتے رہتے تھے۔ لیکن جب خاص موقعہ آیا تو سب کچھ لا کر رکھ دیا۔ ایک طرف تو یہ لوگ تھے اور ایک طرف وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے مال کے دسویں حصہ کی قربانی کا بھی موقعہ نہیں ملتا اور کہتے ہیں ہم لٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فوت ہونے لگے تو بار بار ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں اور کہتے خدایا میں کسی انعام کا مستحق نہیں ہوں میں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ سزا سے بچ جاؤں۔ ۴۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ آپ باوجود اس قدر قربانیوں کے پرندوں کو رشک کی نظر سے دیکھتے اور فرماتے۔ یہ کیا ہی خوش قسمت ہیں کہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچے ہوئے ہیں مگر ہم خطرہ میں ہیں۔ ۵۔ کیا تم سمجھتے ہو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہماری طرح حاجتیں نہ تھیں۔ کیونکہ وہ بھی انسان تھے مگر ان کی جو چیز بدلی ہوئی تھی وہ ان کا دل تھا اور وہ جانتے تھے کہ بیعت کا کیا مفہوم ہے اس لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی

کرتے اور پھر بھی یہی سمجھتے کہ ابھی ہمارے ہی ذمہ کچھ نکلتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف ہمارا کچھ نہیں نکلتا۔ خدا تعالیٰ سے تو ہم نے جنت لینی ہے مگر ہمارے پاس ابھی اپنی جان مال اور دوسری چیزیں باقی ہیں۔ یہ وجہ تھی جس کے باعث ان کے دل میں بڑی بڑی قربانیاں کرکے کبھی شکایت پیدا نہ ہوتی بلکہ یہی تمنا رہتی کہ ابھی کچھ نہیں کیا۔ کچھ اور کیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا ہی حق ہمارے ذمہ ہے ہمارا خدا پر نہیں ہے کیونکہ ہم نے ابھی تک بیعت کا مفہوم پورا نہیں کیا۔ جو اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کو دے دیں۔ یہ وجہ تھی کہ ان کے دل یقین اور ایمان سے پر تھے اور وہ جانتے تھے کہ بغیر قربانی کے ترقی نہیں ہو سکتی اور خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنا اپنے اوپر احسان کرنا ہے نہ کہ خدا تعالیٰ پر۔ اس وجہ سے ہر قربانی جو وہ کرتے انہیں حقیر نظر آتی۔ لیکن ویسی ہی قربانی کا مطالبہ جیسی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ نے خود کی کئی لوگوں کے لئے ٹھوکر کا باعث بن گیا اور وہ مرتد ہو گئے۔ اسی طرح اب بھی کئی ایسے لوگ ہیں جو بغیر اس کے کہ اتنی قربانی کریں جتنی جماعت کا دوسرا حصہ کر رہا ہے ٹھوکر کھا رہے ہیں۔ ان کا سارا مال دینا تو الگ رہا ایک آنہ فی روپیہ دینا یا چندہ خاص دینا جو کبھی لیا جاتا ہے اس پر شور مچا رہے ہیں۔ حالانکہ جماعت کا ۷۰ فیصدی حصہ ایسا ہے جو نظام کے ماتحت ہے اور چندہ اسی طریق سے ادا کرتا ہے اور باقی جو انتظام کے ماتحت نہیں وہ زیر الزام نہیں کیونکہ اس تک ہم پہنچ نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں وہ لوگ جو شور مچاتے ہیں غور کریں۔ وہ بیعت کا مفہوم کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ ذمہ دار کارکنوں کا فرض ہے کہ بیعت کے حقیقی مفہوم کو اپنے ذہن نشین بھی کریں اور جو لوگ کمزور ہیں ان کے ذہن نشین بھی کرائیں۔

پھر میں یہاں کے کارکنوں سے کہتا ہوں سلسلہ کا کام کرنا ہر فرد کے ذمہ ہے ہماری مشکلات اور روکیں جو ہیں وہ اگر کسی وقت اس حد تک پہنچ جائیں کہ باہر کے لوگ ہماری کچھ مدد نہ کر سکیں تو ہمیں یہ خیال ہونا چاہئے کہ یہ کام ہمارے ہیں۔ دیکھو رسول کریم ﷺ کے وقت صحابہ نے بغیر تنخواہ اور اجرت کے کام کئے ہیں۔ اب ہماری جماعت کے کارکنوں کو بھی اس بات کے لئے آمادہ اور تیار رہنا چاہئے کہ اگر خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے بغیر کسی بھائی کی مدد کے کام کرنا پڑے تو کیا جائے۔ وہ جو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتے ہوئے فاقہ سے مرتا ہے اس سے بہتر کس کی موت ہو سکتی ہے۔ شہادت تلوار کی موت کو ہی نہیں کہتے اس سے بہت بڑی شہادت وہ ہے جو متواتر تکلیف اٹھا کر میسر آئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ احد کے شہداء سے بڑھ کر رسول کریم ﷺ کی شہادت کا مرتبہ نہ تھا۔ احد کے شہداء کو تو ایک شہادت نصیب ہوئی مگر خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ

کے متعلق فرماتا ہے۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین (الشعراء ۴) کہ تو ہر گھڑی اس فکر اور غم میں ہے جو موت سے بڑھ کر ہے کہ دنیا کیوں ایمان نہیں لاتی۔ اس لئے اگر دنیا میں کوئی سب سے بڑا شہید گذرا ہے تو وہ محمد ﷺ ہیں۔ کیونکہ آپ کو ایک ایک گھڑی میں شہادت حاصل ہوتی تھی۔ شہادت کا یہ مفہوم ہے جس کو مدنظر رکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۶ ۔

کربلا ئیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

کہ میرے گریبان میں سو حسین ہیں لوگ اس کے معنے یہ سمجھتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے میں سو حسین کے برابر ہوں لیکن میں کہتا ہوں اس سے بڑھ کر اس کا یہ مفہوم ہے کہ سو حسین کی قربانی کے برابر میری ہر گھڑی کی قربانی ہے۔ وہ شخص جو اہل دنیا کے فکروں میں گھلا جاتا ہے۔ جو ایسے وقت میں کھڑا ہوتا ہے جبکہ ہر طرف تاریکی اور ظلمت پھیلی ہوئی ہے اور اسلام کا نام مٹ رہا ہے۔ وہ دن رات دنیا کا غم کھاتا ہوا اسلام کو قائم کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی قربانی سو حسین کے برابر نہ تھی۔ پس یہ تو ادنیٰ سوال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام امام حسینؓ کے برابر تھے یا ادنیٰ۔ حضرت امام حسینؓ ولی تھے۔ مگر ان کو وہ غم اور صدمہ کس طرح پہنچ سکتا تھا جو اسلام کو مٹتا دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا۔ حضرت امام حسینؓ اس وقت ہوئے جبکہ لاکھوں اولیاء موجود تھے۔ اسلام اپنی شان و شوکت میں تھا۔ ایسی حالت میں ان کو وہ غم کہاں ہو سکتا تھا۔ جو اس شخص کو ہوا۔ جو ایسے ہی حالات میں مبعوث ہوا۔ جن حالات میں خود محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت امام حسین کی شہادت رسول کریم ﷺ کی شہادت سے بڑی تھی۔ نہیں اس لئے کہ جو غم اور تکلیف آپ کو اسلام کے لئے اٹھانی پڑی۔ وہ حضرت امام حسین کو نہیں اٹھانی پڑی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی شہادت بھی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے گھر میں بیٹھے رہے پھر کس طرح امام حسینؓ سے بڑھ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا محمد ﷺ اسی طرح فوت ہوئے جس طرح امام حسین فوت ہوئے تھے؟ نہیں۔ مگر کوئی ہے جو کہے محمد ﷺ کی قربانی حضرت امام حسینؓ کی قربانی سے کم تھی۔ محمد ﷺ کی ایک ایک سیکنڈ کی قربانی حضرت امام حسینؓ کی ساری عمر کی قربانی سے بڑھ کر تھی۔ پس جس طرح محمد ﷺ کی قربانی بڑی تھی۔ اسی طرح وہ شخص جو انہی حالات میں کھڑا ہوگا۔ جن میں محمد ﷺ کھڑے ہوئے۔ اس کی قربانی بھی بہت بڑھ کر ہوگی۔ اسی لئے حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ہے۔

کربلا ئیست سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم

کہ مجھ پر تو ہر لمحہ سو سو کربلا کی مصیبتیں گذرتی ہیں اور میں تو ہر گھڑی کربلا کی سیر کر رہا ہوں۔ یہ شہادت بہت بڑی ہے۔ ایک شہید تو وہ ہوتا ہے جو تلوار اٹھا کر دشمن کے سامنے جاتا اور اپنے آپ کو موت سے بچاتا ہوا مارا جاتا ہے۔ لیکن ایک شہید وہ ہوتا ہے کہ اگر اسے دنیا کی بہبودی کا خیال نہ ہو تو وہ اپنے قلب کو تسلی دینے کے لئے ہزار دفعہ موت قبول کر لے۔ وہ جو دین کے لئے قربان ہوتا ہے مگر تلوار اٹھاتا ہے اس کے مقابلہ میں اس کی قربانی بہت بڑی ہوتی ہے۔ جو تلوار کے ذریعہ تو نہیں مرتا مگر ہر گھڑی قربان ہو رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس لئے نہیں مرتا کہ موت کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا غم اور فکر تو ہزار دفعہ مرنے سے بھی بڑھا ہوتا ہے۔

پس قربانی اور شہادت ہی ہے جو انسان کو کمالات تک پہنچاتی ہے۔ اس کے لئے یہاں کے کارکنوں کو بھی تیار رہنا چاہئے۔ ہمارے لئے فی الحال تلوار کی شہادت کا تو موقع نہیں مگر امت محمدیہ اور تمام عالم کے غم میں گھلنے کی شہادت کا موقعہ ہے اور یہ تلوار کی شہادت سے بہت بڑھ کر شہادت ہے۔ جس شخص کو قومی درد سے واسطہ پڑا ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ قوم اور بنی نوع انسان کا درد اتنا بڑا درد ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو موت سے زیادہ کوئی نعمت نظر نہیں آتی۔ اگر وہ یہ محسوس نہ کرے کہ کم ہمتی ہوگی۔ اگر میں جان دے دوں اور اپنی ذمہ داری کو موت کے ذریعہ ترک کر دوں تو وہ سب سے بڑی نعمت موت کو سمجھے۔ پس میں اپنی جماعت کے ان کارکنوں سے جو مرکز میں کام کرتے ہیں کہتا ہوں۔ قطع نظر اس سے کہ دوسرے بھائی ان کی مدد کرتے ہیں یا نہیں انہیں تیار رہنا چاہئے کہ ہر حالت میں اسلام کی خدمت کرنی ہے۔ جو شخص اس نیت اور اس ارادہ سے کام نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے سلسلہ کا کام کرنے کی نسبت بہتر ہے کہ کسی اور جگہ اپنا ٹھکانا بنائے تا کہ وہ پہلا ایمان بھی نہ کھو بیٹھے۔ دین اسلام کی خدمت وہی کر سکتا ہے جو اس بات کے لئے تیار ہو کہ کوئی تکلیف اسے اس کام سے نہیں ہٹا سکے گی اور وہ ہر لمحہ موت کے لئے تیار رہے خواہ وہ موت تلوار سے ہو خواہ گھٹ گھٹ کر فاقہ کشی سے ہو۔

دوسری نصیحت میں کارکنوں اور دوسروں کو یہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جماعت کے لوگوں کے یہ بات بھی ذہن نشین کرائیں کہ کوئی انسان غلطی سے پاک نہیں ہو سکتا اور غلطی کرنا قابل الزام نہیں۔ بدنیتی اور کوتاہی قابل الزام بناتی ہے۔ مگر میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے۔ وہ بعض لوگوں

کی غلطیاں دیکھ کر ہمت ہار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ دنیا میں کون سا انسان ایسا ہوگا جس سے کبھی غلطی نہیں ہوئی ہر انسان سے غلطی ہوتی ہے اور بغیر غلطی کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی وہ قوم جو اس بات سے ڈرتی ہے کہ اس سے غلطی نہ ہو جائے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ دیکھو یہ لوہے چینی کے برتن جو استعمال میں آتے ہیں یہ جرمنی کے ایک نواب نے ایجاد کئے تھے۔ اس نے اپنی ساری دولت اس میں صرف کردی۔ وہ بہت سا خرچ کر کے بھٹی تیار کرتا لیکن جب نکالتا تو لوہے کا لوہا ہوتا۔ اس طرح جب اس کی اپنی ساری دولت صرف ہوگئی تو اس نے قرض لے کر خرچ کرنا شروع کیا مگر پھر بھی ناکام رہا اور قرض خواہوں کے مطالبہ پر قید بھی رہا۔ جب قید سے نکلا تو چونکہ لائق آدمی تھا پروفیسری پر مقرر ہوگیا وہاں سے جو کچھ ملتا وہ بھی اسی کام میں صرف کر دیتا اور یہاں تک حالت پہنچ گئی کہ اس کے بیوی بچوں کو فاقے آنے لگے اور وہ اس قدر کنگال ہوگئے کہ شرفاء ان کو اپنی مجالس میں نہ بلاتے اور اس کے بیوی بچے اپنے رشتہ داروں سے جو بڑے امیر اور دولتمند تھے نہ ملتے۔ کیونکہ ان کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہ تھے۔ ایک دن جب اس نے بھٹی چڑھائی اور اس کے پاس ایندھن نہ تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ گھر کا مال اسباب بھٹی میں جلا دوں تو اس نے بیوی سے کہا کپڑے مانگ کر ایک جگہ چلی جائے۔ اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ گھر کا اسباب جلتا دیکھ کر اسے صدمہ نہ ہو اور وہ مزاحم نہ بنے۔ جب وہ چلی گئی تو اس نے کرسیاں میز وغیرہ توڑ تاڑ کر جلا دیں حتیٰ کہ مکان کی چھت اکھیڑ کر بھی جلا دی۔ اس بھٹی کو جب اس نے نکالا تو جس بات کے لئے وہ کوشش کر رہا تھا وہ پوری ہوگئی یعنی برتن تیار ہوگئے تھے اس وقت اسے اس قدر خوشی ہوئی کہ اسی حالت میں وہ دوڑتا ہوا مجلس میں چلا گیا اور جا کر کہنے لگا۔ میں کامیاب ہوگیا۔ اب ساری دنیا اس ایجاد سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اس نے غلطیاں کیں اور بار بار غلطیاں کیں۔ مگر نہ گھبرایا۔ آخر کامیاب ہوگیا۔ کیا کوئی نواب چاہتا ہے کہ اپنی دولت ضائع کر کے چوہڑوں کی حیثیت میں آجائے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی دولت ضائع ہو مگر قانون قدرت یہی ہے کہ کامیابی تب ہو جب بعض حصے ضائع ہوں۔

پس کارکنوں کا فرض ہے کہ جو کام ان کے سپرد ہو اسے نیک نیتی سے کریں اور ایسے طریق سے کریں جس سے نیک نتیجہ نکلنے کی امید ہو۔ لیکن اگر باوجود اس کے پھر نتیجہ اچھا نہیں نکلتا تو جو کچھ صرف ہوا اسے ضائع نہیں قرار دیں گے۔ بلکہ وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کھیت میں بیج۔ وہ کسی نہ کسی وقت پھل لائے گا۔

دیکھو قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الانفس و الثمرات** (البقرہ ۱۵۶) کہ ہم تم کو خوف بھوک اور تمہارے اموال۔ تمہاری جانیں اور تمہارے ثمرات ضائع کر کے آزمائیں گے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ چندے ہیں جو مومن خدا کی راہ میں دیتے ہیں۔ اور وہ اموال مراد ہیں جو خدا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چندہ دے کر رو پڑا ہو۔ اس سے مراد یہی ہے کہ مسلمانوں کے مال بعض جگہ ضائع ہوں گے اور ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ چنانچہ اس کی ایک مثال میں پیش کرتا ہوں۔ جس میں رسول کریم ﷺ کا مشورہ بھی شامل تھا اور کئی لاکھ روپیہ خرچ ہوا مگر صحابہ قطعاً" نہ بولے وہ غزوہ تبوک ہے اس کے لئے رسول اللہ ﷺ بیس ہزار کا لشکر لے کر چلے فصل کی کٹائی کے دن تھے۔ زمین دار سمجھ سکتے ہیں اس وقت کیسی حالت ہوتی ہے۔ کم از کم دو ماہ کا سفر تھا اور اس سے زیادہ عرصہ بھی لگ سکتا تھا۔ اس عرصہ میں کھیتیاں یقیناً" برباد ہو جاتیں مگر حکم تھا سب چلو کیونکہ خبر ملی تھی کہ عیسائی حکومت روم کی بڑا لشکر جمع کر رہی ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے رسول کریم ﷺ ۲۰ ہزار کا لشکر لے کر چلے جس پر لاکھوں روپے صرف ہوگئے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چندہ ساٹھ ستر ہزار کے قریب تھا۔ کم از کم خرچ کا اندازہ اتنے بڑے لشکر کے لئے ۲۰ لاکھ ہے۔ اس کے علاوہ پیچھے جو کھیتیاں برباد ہوگئیں۔ وہ علیحدہ ہیں مگر جب لشکر وہاں پہنچا تو معلوم ہوا دشمن کا کوئی لشکر وہاں نہ تھا اور یونہی واپس چلے آئے ۵۔ لیکن کسی نے اس نقصان کی پروا نہ کی کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ اب گئے تو ۱۵-۲۰ لاکھ خرچ ہوا اگر نہ جاتے اور دشمن حملہ آور ہو جاتا تو سارا عرب تباہ ہو جاتا۔ اس لئے یہ نقصان نقصان نہیں ہے۔ تو ضیاع ہوا ہی کرتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ہوتا نہیں یا آئندہ نہیں ہوگا۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ وہ قوم جو یہ کہتی ہے کہ ہمارا مال اتنا ضائع ہوگیا اور وہ اس وجہ سے ہمت ہار کر بیٹھ جاتی ہے اسے اگر کل تباہ ہونا ہے تو آج ہی تباہ ہو جائے۔ وہ اس بات کی مستحق ہے کہ تباہ ہو اس بات کی مستحق ہے کہ خدا تعالیٰ کا عذاب اسے پکڑ لے کیونکہ وہ بدنام کنندہ ہے قوموں کی۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اموال کے ضائع ہونے کے متعلق اشارہ فرمایا ہے کہ **ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الانفس و الثمرات** جب یہ واقعہ ہوتا ہے تو مومنوں کی کیا حالت ہوتی ہے یہ کہ **الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون** کون کہہ سکتا ہے کہ اس نقص اموال سے مراد چندے ہیں یہ تو وہی مال ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے ضائع ہوگا

اور یہ ضروری ہے ورنہ قوم کم ہمت ہو جاتی ہے وہی قوم دنیا میں بڑھتی اور ترقی کرتی ہے جو کامیابی کا اندازہ لگا کر اس کے لئے ہر طرح کوشش کرتی ہے۔ اس کے سوا کامیابی کی کوئی صورت نہیں۔ کوئی کامیابی دنیا میں ایسی نہیں۔ جس میں کچھ نہ کچھ ضیاع نہ لگا ہو۔ یہی چھوٹی مثال دیکھ لو۔ باہر کی جماعتوں میں جہاں مبلغ کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کی جماعت مبلغ کے لئے درخواست کرتی ہے۔ اس پر اگر ہم کہیں کہ پہلے یہ بتاؤ وہاں کتنے آدمی احمدی ہوں گے تب مبلغ بھیجا جائے گا تو کیا کبھی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی لیکچرار اچھا نہیں بول سکتا یا بیمار ہو جاتا ہے یا اس کا گلہ خراب ہو جاتا ہے تو اس کے جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ایک دو شخص مرتد بھی ہو جاتے ہیں پھر کیا ان باتوں کی وجہ سے مبلغ ہی نہ بھیجے جایا کریں۔ کیا دنیا میں کبھی کوئی ایسا کام بھی ہوا ہے جس میں یقینی نفع ہو اور ایک ذرہ بھی نقصان نہ ہو۔ جب تک انسان کام کرنے والے ہیں اس وقت تک ایسا ہی ہوگا کہ کام کرنے میں نقصان بھی اٹھانا پڑے گا جو قوم یہ چاہتی ہے کہ اس کا مال ضائع نہ ہو۔ وہ دنیا میں کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہے اسے چاہئے کہ اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھی رہے۔

پس یہ مت خیال کرو۔ اگر تم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو کہ تمہارے مالوں کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں یہ کوشش کرو کہ ہر ایک کام دیانت داری سے ہو۔ اگر کسی کام کرنے والے کی بددیانتی ہو تو اسے علیحدہ کر دو۔ لیکن اگر کسی سے غلطی ہوتی ہے تو اسے ناقابل معافی مت سمجھو۔ میرے کانوں میں یہ اعتراض پہنچا ہے کہ پچھلے دنوں اچھوت لوگوں کی اصلاح کے لئے جو کوشش کی گئی اس میں بہت سا روپیہ تباہ کر دیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر اس کام میں کامیابی ہو جاتی اور لاکھوں آدمی اسلام میں داخل ہو جاتے تو یہی لوگ جو اب اعتراض کرتے ہیں کہتے ہم پہلے ہی کہتے تھے۔ اس میں کامیابی ہوگی۔ اور اس طرح فتح میں وہ بھی شامل ہو جاتے۔ بلکہ دوسروں سے بڑھ کر اپنے آپ کو حصہ دار بتاتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہاں وہ روپیہ ضائع ہوا۔ دو سو کے قریب اب بھی ان میں سے ایسے لوگ ہیں کہ بعض کو میں دیکھ کر پہچان نہیں سکتا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں۔ ان کے چہرے بدل گئے۔ ان میں رشد نظر آتا ہے۔ نمازوں میں باقاعدہ شامل ہوتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ نئے آدمی مسلمان ہونے کے لئے آتے ہی رہتے ہیں۔ پھر یہ روپیہ ضائع تو نہیں ہوا۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اے علی (دوسرے موقعہ پر ایک اور صحابی سے فرماتے ہیں) ایک آدمی کا ہدایت پا جانا دو پہاڑوں کے درمیان بھرے ہوئے بھیڑ بکری کے گلے سے زیادہ قیمتی ہے[6]۔ اگر اتنے

بڑے گلہ کی قیمت ایک لاکھ بھی سمجھی جائے تو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ خرچ کر کے بھی اگر ایک آدمی ہدایت پاتا ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں سستا ہے۔ اسی طرح ہمیں اگر ان لوگوں میں سے ایک آدمی بھی مل گیا تو جو کچھ ہمارا خرچ ہوا ہے اس کے مقابلے میں سستا ہے۔ مہنگا نہیں ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو امید تھی کہ یک لخت ہزاروں آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے وہ پوری نہیں ہوئی۔ باقی جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے ان کی شکل دیکھ کر وہ شخص معلوم کر سکتا ہے جسے چہروں کے مطالعہ کی قابلیت ہو کہ سچا ایمان لائے ہیں۔

پس بعض جگہ مال ضائع ہو جاتا ہے مگر بغیر اس خطرہ میں پڑے کامیابی کب ہو سکتی ہے۔ پہلے انسان گھر کی چیز تباہ کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ تب کامیاب ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں ضلع سیالکوٹ کے کچھ لوگ آئے۔ جنہوں نے بتایا کہ ہمارے علاقہ میں بغیر بارش کے فصل نہیں ہو سکتی۔ کنویں ایسے ہیں کہ اگر ان کا پانی کھیتوں کو دیا جائے تو کھیت بالکل تباہ ہو جائیں۔ ہم لوگ گھر میں جو غلہ تھا وہ کھیتوں میں ڈال آئے ہیں۔ اب اگر بارش ہوئی تو فصل ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

اب دیکھو ان لوگوں نے جو غلہ ان کے پاس تھا اسے بھی خطرہ میں ڈالا یا نہیں۔ اور اگر بارش نہ ہوئی تو کیا ان کو کوئی ملامت کرے گا کہ تم کھیتی باڑی کرنے کے قابل نہیں تم سے زمینیں چھین لینی چاہئیں۔ ہرگز نہیں۔

بات یہ ہے کہ خطرہ برداشت کرنے کے بعد کامیابی ہوتی ہے۔ اور جب تک کوئی قوم اس بات کے لئے تیار نہ ہو کہ موقع کو دیکھ کر خطرہ بھی برداشت کرے۔ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہم نے جب علاقہ ملکانہ میں کام شروع کیا۔ تو اس وقت سارے مسلمان ملکانوں کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ یہاں قادیان میں بھی جب میں نے اس بارے میں مشورہ لیا تو کئی آدمیوں نے مجھے کہا اس میں کامیابی نہ ہوگی۔ کیونکہ آریہ سالہا سال سے وہاں کام کر رہے ہیں۔ اس وقت میں نے بتایا کہ اگر اس کام کو ہم شروع کریں گے تو کم از کم پچاس ساٹھ ہزار روپیہ خرچ ہو گا اور سینکڑوں آدمیوں کو اس کے لئے اپنا وقت صرف کرنا ہوگا۔ چنانچہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہماری جماعت کا روپیہ اس کام میں صرف ہوا مگر آج سارا ہندوستان اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ احمدیوں کی وجہ سے آریوں کو علاقہ ملکانہ میں شکست ہوئی۔ ابھی مفتی محمد صادق صاحب علی گڑھ گئے تو سر عبدالرحیم نے جو اس سال مسلم لیگ کے پریذیڈنٹ تھے۔ علاقہ ملکانہ میں کام کرنے کی وجہ سے مفتی صاحب سے کہا۔ آپ ہی کی جماعت سچی مسلمان جماعت اور سچے طور پر اسلام کی خدمت کرنے والی

ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ ہماری جماعت میں شامل نہیں مگر انہوں نے کہا سچے مسلمان آپ ہی لوگ ہیں۔

اب ممکن تھا کہ علاقہ ملکانہ میں ہمارا جو روپیہ اور محنت صرف ہوئی وہ صرف ہوتی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔ کیونکہ آریہ وہاں دیر سے کام کر رہے تھے۔ ان کا اس علاقہ میں بڑا اثر اور رسوخ تھا۔ ممکن تھا کہ سات آٹھ لاکھ آدمی آریوں کے قبضہ میں چلے جاتے۔ مگر خداتعالیٰ نے ہمیں فتح دی اور اب سارے اس فتح میں شامل ہیں اور کہتے ہیں ہم احمدیوں نے یہ کام کیا۔ اگر خدانخواستہ شکست ہوتی تو کہتے خلیفہ نے اس قدر روپیہ ضائع کر دیا۔

دراصل کام کرنے والے کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل سے اندازہ لگاتا ہے کہ کامیابی ہو سکتی ہے اور پھر موقعہ دیکھ کر حملہ کر دیتا ہے۔ اس کے لئے یہ کام منٹوں کا ہوتا ہے منٹوں میں اسے فیصلہ کر کے حملہ کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس کا اندازہ بالکل ٹھیک لگ گیا۔ اور حملہ عین وقت پر ہو گیا تو کامیابی ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔ دیکھو نپولین جیسے فاتح کی آخری شکست صرف پانچ منٹ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس نے سارے یورپ کو شکست دے دی تھی۔ آخر سب نے مل کر اسے شکست دی اور قید کر لیا۔ مگر وہ قید سے نکلا اور فوج لے کر مقابلہ کے لئے چلا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک ٹیلہ تھا۔ نپولین نے اپنے ایک جرنیل کو بھیجا کہ اس پر جا کر قبضہ کر لو اور اس پر توپ خانہ رکھ دو۔ وہ جرنیل فوج لے کر گیا لیکن چونکہ سپاہی تھکے ہوئے تھے۔ اس ٹیلے کے نیچے پہنچ کر اس نے اجازت دے دی کہ رات کو یہاں آرام کر لو صبح ٹیلہ پر قبضہ کریں گے۔ صبح اٹھ کر جب وہ قبضہ کرنے کے لئے گئے تو ان سے صرف پانچ منٹ پہلے انگریزی فوج اس پر قبضہ کر چکی تھی۔ اس سے جنگ کا نقشہ ہی بالکل بدل گیا۔ نپولین کو شکست ہوئی اور وہ پکڑا گیا۔ اگر اس ٹیلہ پر پانچ منٹ پہلے انگریزوں کا قبضہ نہ ہو جاتا تو آج نہ انگریز اس حالت میں ہوتا اور نہ جرمن۔ مگر پانچ منٹ کی غفلت اور دیر نے دنیا کی قوموں کے حالات بدل ڈالے۔ تو کام کرنے والوں کو منٹوں میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ پھر بعض دفعہ ان کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے اور بعض دفعہ غلط بھی ہوتا ہے۔ ایک قوم کے سردار آتے ہیں ان کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ آج ان کے لئے اگر روپیہ صرف کریں گے تو کل یہ ہمیں مدد دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ جس قدر امید لگائی جائے وہ پوری نہ ہو لیکن اس سے بددل نہیں ہونا چاہئے۔ دیکھو عیسائیوں نے ہندوستان کی اچھوت اقوام کے لئے کروڑوں روپے خرچ کر دیئے۔ جس کا نتیجہ سالہا سال کی کوششوں کے بعد یہ نکلا ہے کہ آج انہیں کونسل میں ممبری کا حق حاصل

ہے۔ یہ حق عیسائیوں کو مغلوں۔ پٹھانوں اور سیدوں کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ چوہڑوں کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ تم میں سید مغل پٹھان ہیں۔ مگر احمدیوں کو یہ حق نہیں دیا گیا اور عیسائیوں کو دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ تو وہ روپیہ جو عیسائیوں نے ان لوگوں کے لئے خرچ کیا تھا اس طرح کام آ گیا کہ ان کا اس ملک پر حق تسلیم کر لیا گیا مگر تمھارا نہیں تسلیم کیا گیا۔

ابھی چند دن ہوئے ایک دوست کا خط آیا ہے کہ عدن میں ۳۴ سال ہو گئے ہیں عیسائیوں کا مشن قائم ہوئے جس پر لاکھوں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ ان کا ایک بہت بڑا ہسپتال ہے مگر اس وقت تک ایک آدمی بھی عیسائی نہیں ہوا۔ اور عیسائی اسی جوش سے مال صرف کر رہے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ جب کوئی فائدہ نہیں تو کیوں تم مال خرچ کرتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہمارا کام کرنا ہے آگے ماننا ان لوگوں کا کام ہے۔ اس وقت تک ان کا کروڑ ڈیڑھ کروڑ کے قریب روپیہ صرف ہو چکا ہو گا مگر اس بات کی انہیں کوئی پروا نہیں کہ یہ روپیہ ضائع ہو گیا۔ دراصل وہ اسے ضائع نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں نیک نیتی سے کام کرتے ہوئے مال کا ضائع کرنا ہی کامیابی ہے۔ کیونکہ جو قوم خطروں کو برداشت کرتی ہے وہی جیتتی ہے۔

ہماری جماعت کے لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اگر کوئی کارکن غلطی کر جائے اور کسی کام کا نتیجہ اس طرح نہ نکلے جس طرح امید کی جائے۔ تو اس کے متعلق یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اس میں مال ضائع ہو گیا۔ جس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جو قوم اپنا مال ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں وہ فتح کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتی۔ ایسا کوئی کام نہیں۔ جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اس میں نقصان کا احتمال نہیں ہو گا۔ بلکہ انسان جب اپنی جان تک دے دینے کے لئے تیار ہوتا ہے تب کامیابی ہوتی ہے۔ دیکھو عورت جان دیتی ہے تب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بیسیوں عورتیں بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے مر جاتی ہیں۔ اس سے کیا عورتیں یہ کہہ دیں کہ چونکہ جان کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے بچے ہی پیدا نہیں کرنے چاہئیں۔ پھر دیکھو خدا تعالیٰ کے کاموں میں بھی ضیاع پایا جاتا ہے اور دہریہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ دس بچے پیدا ہوتے ہیں۔ جو سارے کے سارے زندہ نہیں رہتے۔ بلکہ ان میں سے پانچ مر جاتے ہیں۔ اسی طرح درختوں پر کروڑوں من بور لگتا ہے جس میں سے بہت سا گر جاتا ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ سب کاموں میں ضیاع لگا ہوا ہے اور اس کے بغیر کوئی کامیابی اور کوئی فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔

پس اگر کوئی بات قابل اعتراض ہے تو وہ بدنیتی اور بے پرواہی ہے ورنہ نیک نیتی سے اگر کوئی

اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے تو قابل تعریف ہے۔ نہ کہ قابل مذمت۔ مثلاً" ایک شخص کسی کو ڈوبتا دیکھ کر پانی میں کود پڑتا ہے۔ اب ممکن ہے وہ خود بھی ڈوب جائے اور ممکن ہے دوسرے کو بچا لائے۔ اگر وہ خود بھی ڈوب جائے تو قابل ملامت نہیں ہوگا۔ پس ہر کام میں یہ دیکھنا چاہئے کہ بدنیتی تو نہیں اگر یہ نہیں اور ضیاع ہے تو یہ فطرتی بات ہے۔

تیسری بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ ہر الزام سچا نہیں ہوتا بعض لوگ ہر بات سن کر یقین کر لیتے ہیں کہ سچی ہوگی۔ حالانکہ ایسی باتوں میں سے ۹۹ فیصد غلط ہوتی ہیں۔ مثل مشہور ہے۔ پر سے کوّوں کی قطاریں بن گئیں۔ ہے تو لغو ہی قصہ مگر مشہور اس طرح ہے کہ کوئی بادشاہ پاخانہ میں گیا تو اس نے دیکھا وہاں پر پڑا تھا۔ اس نے اس بات کی شکایت کی کہ صفائی اچھی نہیں ہوتی پاخانہ میں پر پڑا ہوا تھا۔ اس سے کسی نے یہ سمجھا کہ پاخانہ میں سے پر نکلا ہے۔ اس سے آگے یہ سمجھا گیا کہ کھانے میں پر کھایا گیا۔ اس طرح بات بناتے بناتے کوّے بنا دیئے گئے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح باتیں بنائی اور بڑھائی جاتی ہیں.................. اس لئے سمجھنا چاہئے کہ ہر خبر جو پہنچے سچی نہیں ہوتی۔ اگر اس بات کو مد نظر رکھا جائے تو بہت سے فتنوں سے انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔

یہ تین باتیں تمام لوگوں کے ذہن نشین کرائی جائیں۔ کیونکہ ان کے سمجھنے کے بغیر ہماری جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے بغیر کسی قوم کے قدم فتح کی طرف نہیں اٹھ سکتے۔ بلکہ وہ قوم ذلیل ہو جاتی ہے۔ دیکھو انگریز اس ملک میں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر آئے اور فاتح بن گئے۔ ہمارے ملک کے لوگ جانوں کے خطرہ کی وجہ سے گھر سے نہ نکلے۔ انہوں نے سمجھا ہم سمندر میں ڈوب جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا سمندر تو الگ رہا۔ خشکی میں ڈوب گئے اور ایسے ڈوبے کہ ایک لاکھ کے قریب انگریز کئی کروڑ پر حکومت کر رہے ہیں پھر انگریزوں نے نقصان کی پروا نہ کرتے ہوئے صنعت و حرفت میں اپنا روپیہ لگایا۔ مگر ہمارے ملک کے لوگ نقصان سے ڈرتے رہے۔ اب حالت یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے ان کے محتاج ہیں۔ سوئی۔ دھاگہ۔ جراب۔ پگڑی غرض جس چیز کی ضرورت ہو ہم ان کا منہ تکتے ہیں۔ ہم نے کہا اگر ہم کارخانے کھولیں گے تو شائد گھاٹا پڑ جائے اور روپیہ ضائع ہو جائے۔ مگر جب ہم ضیاع سے ڈرے تو خدا نے ہمیں روپیہ ہی نہ دیا اور ہم تجارتی میدان میں گر گئے۔ تاریخوں میں واقعہ لکھا ہے کہ شاہ جہان کی بیوی تاج محل نے خواب میں ایک مقبرہ دیکھا۔ دنیا میں جو سات عمارتیں اعلیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہیں ان میں سے ایک تاج محل ہے۔ بیگم نے بادشاہ کو بتایا۔ اس نے انجنیئر بلائے اور کہا کیا تم اس قسم کا مقبرہ تیار کر سکتے ہو۔ سب نے انکار کر دیا۔ آخر

ایک نے نقشہ بنا کر دکھایا۔ تو بیگم نے کہا یہ ہے وہ نقشہ جو میں نے دیکھا۔ بنانے والے نے کہا یہ بن تو جائیگا مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے اگر وہ پوری ہو جائے تو بن جائے گا۔ بادشاہ نے کہا بتاؤ جو بھی شرط ہے پوری کی جائے گی۔ اس نے کہا آپ روپوں کے توڑے کشتی میں لاد کر کشتی میں میرے ساتھ بیٹھ جائیں اور دریا کے دوسرے کنارہ تک چلیں۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا جب کشتی چلی تو اس نے ایک توڑا اٹھا کر دریا میں پھینکتے ہوئے کہا بادشاہ سلامت مقبرہ بن تو جائے گا مگر اس طرح روپیہ خرچ ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کوئی پروا نہیں اسی طرح خرچ کرو۔ پھر اس نے وہی بات کہتے ہوئے دوسرا توڑا پھینک دیا۔ حتیٰ کہ کنارے تک پہنچتے پہنچتے سارے توڑے پانی میں ڈال دیئے۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ اسی طرح روپیہ خرچ کرنے کے لئے تیار ہے تو اس نے کہا ضرور ایسا مقبرہ بن جائے گا۔ اس کے بعد اس نے بنانا شروع کیا۔

اس سے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو قربانی کے لئے تیار ہوتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ پس میں یہ نہیں کہتا کہ سب باتیں غلط ہوتی ہیں۔ سچی بھی ہوتی ہیں مگر پھر بھی بد دل نہیں ہونا چاہیئے۔ دیکھو تاجر کاروبار کرتے ہیں مگر ان کا کوئی ملازم خائن نکل آئے تو کیا وہ کام کاج بند کر دیتے ہیں کہ اب یہ کام نہیں کریں گے۔ تمام دنیا کے کاموں میں کام کرنے والے خائن اور غبن کرنے والے بھی ہوتے ہیں مگر کام کرنے والے کراتے ہی ہیں۔ پس اول تو ہر بات کے متعلق تحقیقات کرنی چاہیئے کہ وہ جھوٹ ہے یا سچ۔ پھر اگر وہ سچ ہو تو بھی تو کوئی ایسی بات نہیں جو ناممکن ہو۔ سارے کے سارے انسان نیک نہیں ہوتے۔ سارے کے سارے دیانت دار نہیں ہوتے۔ مگر ان کی وجہ سے کام نہیں چھوڑ دیئے جاتے۔ پھر بسا اوقات دیانتداروں سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پس اگر دیانتداری سے کام کرتے ہوئے نقصان ہو تو اس سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔

پھر ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ جس کے لئے کسی قسم کی حد بندی نہیں ہے۔ آنہ دو آنے نہیں بلکہ ضرورت کے وقت سب کچھ دینا ہو گا۔ اگر کوئی اس کے لئے حد بندی کرتا ہے تو وہ بیعت پر قائم نہیں رہتا۔ تم ہر ایک چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہو پھر دیکھو کامیابی کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ تم لوگ اپنی اس تھوڑی سی قربانی کو ہی دیکھو جو قربانی کہلانے کی بھی مستحق نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے تمہاری کس قدر عزت اور توقیر کی جاتی ہے۔ خطرناک سے خطرناک دشمن بھی مانتے ہیں کہ تم لوگ دین کی بڑی خدمت کر رہے ہو اور دین کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو اور کسی نقصان سے نہیں ڈرتے۔ پس یہی بات ہے جس کی وجہ سے ہماری جماعت کا

دوسروں پر رعب ہے۔ اسی میں زیادتی کی وجہ سے ہم سب پر فتح پا سکتے ہیں اور اسی میں کمی کی وجہ سے نامرادی اور ناکامی ہو سکتی ہے۔

پس ہماری جماعت کے کارکن ان باتوں کو سمجھیں اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں ڈالیں۔ اپنا سمجھ لینا ہی کافی نہ سمجھیں۔ بلکہ جو کمزور ہوں ان کو سمجھانے کی بھی کوشش کریں تاکہ کمزور بھی مضبوط ہو جائیں اور جو روکیں ہمارے راستہ میں ہیں وہ دور ہو جائیں اور ایسی روکیں نہ کھڑی ہوں جن سے قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

(الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء)

۱۔ متی

۲۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ سیف البحر

۳۔ تاریخ الخلفاء للسیوطی صہ ۳۷

۴۔ تاریخ الخلفاء صہ ۱۰۵

۵۔ تاریخ الخلفاء صہ ۸۴

۶۔ سیرت ابن ہشام حالات غزوہ تبوک